مولانا عبدالغفور پسرودی تخصص مدرسہ نیو ٹاؤن کراچی

تردید فتنۂ انکار حدیث

تصحیح احادیث کا معیار

قسط ۲

● یہ ممکن بھی کیسے ہو سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سوال "ھل یکذب المؤمن (کیا مومن جھوٹ بولتا ہے) کے جواب میں "المؤمن لایکذب" (کہ مومن جھوٹ نہیں بولتا یعنی بڑے سے بڑا گناہ — زنا، چوری وغیرہ — تو کر سکتا ہے پر جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔) فرما رہے ہوں اور صحابہ کرامؓ جیسے مومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتے ہوں۔ العیاذ باللہ

● ان حضرات کے تو کذب بیانی کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے چہ جائیکہ وہ عملاً اس کا ثبوت بھی دیتے۔ ع۔ ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔

● جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال کی اشاعت کی تاکید فرمائی وہاں یہ سخت ترین تہدید اور وعید بھی فرمائی کہ:

اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم	ہر حدیث بیان کرو میری طرف منسوب کر کے بیان
فمن کذب علی متعمداً فلیتبوأ	کرنے سے بچو۔ بس وہی بات میری طرف منسوب
مقعدہ من النار (مشکوۃ ص۳۵ ج۱)	کیا کرو جسکو تم جانو کہ واقعی میری بات ہے۔ اس

لئے کہ جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا (جو میری حدیث نہ تھی اسکو میری طرف منسوب کر دیا) تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اس تہدید اور وعید کے بعد یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر جان

تک رلا دینے والے شمع نبوت کے پروانے حدیث میں کذب بیانی پر سخت ترین وعید کے سننے کے بعد قصداً آپ کی طرف نسبت کر کے کذب بیانی کرتے۔ — اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں حدیث میں عمداً جھوٹ کا نام و نشان احتمال کے درجہ میں بھی نہ تھا۔ ہاں راوی کی قوت وضبط اور فہم کے اعتبار سے فرق ضرور ہوتا تھا۔ اسی فرق اور خطاء و نسیان کے احتمال کی بنا پر (اگرچہ یہ خطاء و نسیان ایسا نہ تھا جو کہ قابل اعتراض یا حدیث میں کسی جرح و قدح کا سبب ہوتا۔ اس لئے کہ صحابہ کرام خدا اور رسول کی شہادت کے بموجب عادل ہیں) خود صحابہ کرام بھی ہر حدیث کو بے دھڑک قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ یا تو صرف متواتر ومشہور روایات کو قبول کرتے یا ان اخبار آحاد کو کہ جن کے رواۃ میں ایسے لوگ نہ ہوتے جو شک کی فی الضبط والحفظ ہوں۔ اس وقت صحابہؓ کے دل مطمئن ہو جاتے اور وہ اخبار احاد کو قبول کر لیتے۔ اور اگر کسی حدیث کو بظاہر قرآن کی نص صریح یا معروف احادیث کے مخالف یا منافی پاتے یا کسی روایت میں مزید اطمینان کی ضرورت ہوتی تو اسکو اس وقت تک قبول نہ کرتے کہ جب تک اس پر شہادت قبول نہ کر لیتے، اور یہ طلب شہادت اس لئے نہیں ہوتی تھی کہ صحابہ کرامؓ قابل اعتماد نہ تھے۔ (نعوذ باللہ) بلکہ صرف دل کے اطمینان اور تثبت کیلئے اور آئندہ آنے والی نسل کی راہنمائی کے لئے یہ کرتے تھے۔

بعض صحابہؓ کا حدیث پر شہادت طلب کرنے کی وجہ | صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ انہوں نے محض تثبت کیلئے راوی حدیث سے گواہ طلب کئے۔ پھر حدیث قبول کی۔ ہم صرف دو واقعے ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ان کے پاس ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے آکر اسلامی دستور کے مطابق سلام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ کسی کام میں مشغول تھے اس لئے جواب نہ دے سکے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے حسب ارشاد نبوی دوسرا اور پھر تیسرا سلام کیا۔ جب کوئی جواب نہ ملا اور اندر داخلے کی اجازت نہ ملی تو شریعت کے قاعدے کے مطابق واپس چلے۔ وہ لوٹے ہی تھے کہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا۔ اور فرمایا کہ تم اندر کیوں نہیں آگئے۔؟ واپس کیوں چل دئے۔؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا:

استأذنت ثلاثا فلم یؤذن لی۔ فرجعت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں نے تین مرتبہ (اندر آنے کی) اجازت چاہی مجھے اجازت نہ دی گئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اذا استأذن احدکم ثلاثا فلم یؤذن لہ فلیرجع ۔ بخاری ص۹۲۳ ج۲	کے ارشاد کہ : اگر تم میں سے کوئی (کسی سے اس کے گھر میں داخلے کیلئے) تین دفعہ اجازت طلب کرے اور اسکو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس لوٹ جائے ،، کے بموجب واپس لوٹ گیا۔

اس پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا کہ

واللہ لتأتینی علی ھذا ببرھان و بینۃ اولافعلن بک ،، مسلم و بخاری ص۹۲۳ ج۲ ، باب الاستذان جامع ترمذی ص۱۱۰	خدا کی قسم یا تو اس پر گواہ لاؤ (کہ واقعی تم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے) یا پھر (آج) میں تمہارے ساتھ کچھ کر گزروں گا۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گئے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو بطور گواہ لاکر پیش کیا تب جان چھوٹی۔

یہ طلب شہادت اس وجہ سے نہ ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ کو حضرت ابوموسیٰؓ کے بارے میں غلط بیانی کا خیال تھا بلکہ صرف تثبت کے طور پر ہوئی تھی۔ چنانچہ موطا مالکؒ، باب فی الاستذان میں حضرت عمرؓ کی تصریح موجود ہے کہ :

فقال عمر لابی موسیٰ اما انی لم اتہمک ولکنی خشیت ان یتقول الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ موطا مالک ص۳۸۱	حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے فرمایا کہ یہ بات (ہرگز) نہیں ہے کہ میں تم کو متہم (بالکذب) سمجھتا تھا۔ (اس سے شہادت طلب کی) لیکن مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں لوگ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑنے لگ جائیں۔ (اس لئے بطور حفظ ماتقدم میں نے یہ اقدام کیا۔ لوگوں کو جب ثبوت پیش کرنے کا ڈر ہوگا تو جھوٹی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب نہیں کریں گے)

اس کے علاوہ اور بھی حدیث کے الفاظ ہیں، ایک طریق میں ہے کہ اما انی لم اتہمک ولکن اردت ان لایتجرء الناس علی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الباری ص۲۵ ج۱۱ ۔

حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام میں کذب تو نام و نشان تک نہ تھا۔ ہم کو جو کچھ تحقیق اور تلاش و جستجو صحابہؓ کے زمانہ میں ملتی ہے، وہ سب اطمینان قلب اور تثبت پر مبنی ہے۔

۲۔ اسی طرح کا واقعہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، کہ انہوں نے میراث جدہ میں حضرت مغیرۃ کی بات اس وقت تک نہیں مانی جب تک کسی شاہد نے گواہی نہ دیدی۔

عن قبیصۃ بن ذویب قال جاءت الجدۃ ام الام او ام الاب الی ابی بکر فقالت ان ابن ابنی او ان ابن ابنتی مات وقد اُخبرت ان لی فی الکتاب حقا۔ فقال ابوبکر ما اجد لک فی الکتاب من حق۔ وما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی لک بشئی وسأسأل الناس۔ قال فسأل الناس فشهد المغیرۃ ابن شعبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطاها السدس قال ومن سمع ذالک معک ؟ قال محمد بن مسلمۃ۔ قال فاعطاها السدس۔

۔ ترمذی ج۲ باب فی میراث الجدۃ ۔

قبیصۃ بن ذویب سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک جدہ ۔ دادی یا نانی۔ آئی اور کہا کہ میرا پوتا۔ یا یہ کہا کہ میرا نواسا فوت ہو گیا ہے اور مجھ کو یہ پتہ چلا ہے کہ از روئے کتاب اللہ اس کے مال میں میرا حق ہے (وہ مجھے دیدیجئے) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں تو کتاب اللہ میں (پوتے یا نواسے کے مال میں دادی کا) کوئی حق نہیں پاتا۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا کہ آپؐ نے تیرے لئے کوئی فیصلہ فرمایا ہو۔ (ہاں) میں لوگوں سے پوچھتا ہوں۔ (چنانچہ) لوگوں (صحابہ کرام) سے اسکی بابت پوچھا تو مغیرۃ بن شعبہؓ نے فرمایا کہ ہاں (پوتے یا نواسے کے مال میں دادی کا حصہ ہے۔ چنانچہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے (تثبت کیلئے) فرمایا کہ کیا کسی اور نے بھی تمہارے ساتھ اس بات کو سنا ہے۔؟ مغیرۃ بن شعبہؓ نے فرمایا کہ ہاں محمد بن مسلمۃؓ ہیں۔ تب جا کر صدیق اکبرؓ نے جدۃ کو سدس (چھٹا حصہ) دیا۔

اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ کی حدیث پر اعتماد نہیں تھا۔ اس لئے گواہ طلب کیا۔ بلکہ یہ جو کچھ کیا تثبت کیلئے کیا۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مقدمہ فتح الملہم میں ذہبیؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

فمراد الصدیقؓ التثبت فی الاخبار والتحری لا سد باب الروایۃ۔"

مقدمہ فتح الملہم ص۹

حضرت صدیق اکبرؓ کی گواہ طلب کرنے سے مراد احادیث میں تثبت اور تحری تھی نہ کہ روایۃ کا دروازہ بند کرنا۔

الغرض صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں عمداً جھوٹ کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہاں سہو و نسیان کا احتمال اور قوت و ضبط میں فرق ضرور تھا، اسی احتمال اور فرق کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ نے تثبت کے طور پر گواہیاں طلب کیں۔ یہ تو خیر صحابہ کرامؓ کا زمانہ تھا۔ کبارِ تابعین کے دور میں بھی یہی صورتِ حال قائم رہی۔ مگر اس دور فرقِ ضالہ ۔۔ خوارج، شیعہ، مرجیئہ، اور معتزلہ وغیرہ کے زور پکڑ جانے اور اپنے اپنے مسلک کی تائید کی غرض سے نو بنو حدیثیں گھڑنے کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا تھا۔ اس لئے محدثین کرام نے فرمانِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"

کسی انسان کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ جو سنے (بلا تحقیق) اسکو آگے چلا دے۔

کے بمصداق خود کو ارتکابِ کذب سے بچانے کیلئے ہر حدیث کے ایک ایک راوی کی جانچ پڑتال شروع کی۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ فرماتے ہیں کہ:

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموا لنا رجالکم۔ فینظر الی اہل السنۃ فیوخذ حدیثہم وینظر الی اہل البدع فلا یوخذ حدیثہم۔

معقدمہ مسلم ص۱۱

(جب خیر کا زمانہ تھا تو) محدثین اسناد کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنے کا دور آیا تو (پھر وہ ہر اسناد کو قبول نہ کرتے تھے بلکہ) کہتے تھے کہ رجالِ سند کے نام بتلاؤ ۔۔۔ تاکہ (رواۃ کی چھان بین کی جائے) دیکھا جائے کون اہل السنۃ ہیں کہ ان سے حدیث لی جائے اور کون اہل بدعت ہیں کہ ان کی روایت سے اجتناب کیا جائے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ متوفی سنہ ۶۸ھ سے بھی اسی قسم کی بات مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"عن مجاھد قال جاء بشیر بن کعب العدوی الی ابن عباس فجعل یحدث ویقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فجعل ابن عباس لاذن لحدیثہ ولا ینظر الیہ۔ فقال یا ابن عباس

مجاہد سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) بشیر بن کعب العدوی ابن عباسؓ کے پاس آئے اور لگے حدیثیں بیان کرنے، اور کہتے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عباسؓ تھے کہ اسکی حدیث سنتے ہی نہ تھے اور نہ ہی اسکی طرف دیکھتے تھے

مالی لا اراك تسمع لحدیثی احدثك عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تسمع - ؟ فقال ابن عباس انا کنا... مرۃ اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدرتہ ابصارنا واصغینا الیہ باذاننا - وفی روایۃ انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یکن یکذب علیہ فلما رکب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس الا ما نعرف -

مقدمہ مسلم صنا

(اس پر) بشیر بن کعب نے کہا کہ اے ابن عباس کیا بات ہے کہ آپ میری حدیثیں نہیں سنتے - ؟ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بیان کر رہا ہوں اور آپ ہیں کہ اس طرف توجہ ہی نہیں دیتے - ؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے (اپنی حالت بتلاتے ہوئے) کہا کہ ایک زمانہ ہم پر یہ گذرا ہے کہ کوئی آدمی جب یہ کہتا تھا کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو ہماری نگاہیں فوراً اسطرف بے ساختہ اٹھ جاتی تھیں اور ہم اپنے کانوں کو اسطرف جھکا دیتے تھے (پھر عدم التفات کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیثیں اس زمانہ میں بیان کیا کرتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط سلط حدیثوں کو منسوب کر کے بیان کرنے کا رواج نہیں ہوا تھا، مگر جب لوگ ہر سرکش و غیر سرکش اونٹوں پر سوار ہونے لگے - (سچ جھوٹ کی تمیز جاتی رہی) تو ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیثوں کو بیان کرنا ہی چھوڑ دیا - اب ہم اسی حدیث کو لیتے ہیں جسکو ہم پہچانتے ہیں -

الغرض جب فتنے کا دور آیا اور فرقِ ضالہ نمودار ہو گئے تو محدثین کرام نے رواۃ حدیث کی جانچ پڑتال شروع کر دی - اس کے نتیجے میں علماء اصولِ حدیث کو صحیح، ضعیف، مقبول اور متروک وغیرہ قسمیں بیان کرنا پڑیں - پھر صحیح حدیث کے بھی راویوں کے حافظہ اور یادداشت کے تفاوت کی وجہ سے بہت سے مراتب تھے اس لئے بعد کے علماء اصول نے ان مراتب و مدارج کی وضاحت کیلئے ایک تیسری قسم حسن کا بھی اضافہ کیا اور راویوں کے مختلف طبقات قائم ہو گئے - آگے چل کر محدثین عظام نے مزید وضاحت کیلئے اقسام میں اور اضافہ کیا، اور صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف وغیرہ اقسام وجود میں آگئیں -

مسلمانوں میں اگرچہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ دوسری صدی میں شروع ہو گیا تھا، مگر علوم و فنون کی باقاعدہ تدوین کا سلسلہ تیسری صدی سے شروع ہو کر چوتھی صدی میں شباب پر پہنچا۔

اور علم اصول حدیث کی باقاعدہ تدوین ہوئی۔ اس وقت علماء اصول حدیث نے علم اصول حدیث کو باضابطہ طور پر مدون کیا۔ اور حدیث کے مذکورہ بالا فرق مراتب کو جو صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین کے دور سے ہی چلا آرہا تھا پیش نظر رکھ کر حدیث کی یہ تقسیم کی۔

اب مصنفین حضرات کی تصنیف میں طریق کار مختلف تھے۔ کسی نے اپنی کتاب کو ایک ہی قسم کے ساتھ مختص کر لیا۔ جیسے کہ بخاری و مسلم، کہ انہوں نے فقط صحاح احادیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا، اور بعض حضرات نے صحیح کے ساتھ حسن احادیث کو بھی لیا۔ اور بعض نے ضعیف احادیث کو بھی اپنی کتابوں میں جگہ دی، مگر ان کے ضعف اور وجہ ضعف پر متنبہ بھی کر دیا، جیسے کہ سنن اربعہ، ان کے مصنفین نے تمام اقسام کو لیا[1]۔

اس مختصر تمہید اور سوال کے جواب کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کہ "معیار تصحیح حدیث" کیا ہے۔؟ آیا کتب صحاح کے اندر کسی حدیث کا موجود ہونا یا راوی و مروی (حدیث) میں شرائط صحت کا پایا جانا۔؟ لیکن اس پر بحث کرنے سے پہلے حدیث صحیح کی تعریف کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

حدیث صحیح کی تعریف | حافظ ابو عمرو ابن صلاح متوفی ۶۴۳ھ حدیث صحیح کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ:

اما الحدیث الصحیح: فھو الحدیث المسند الذی یتصل اسنادہ بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط الی منتھاہ، ولا یکون شاذا ولا معللاً۔	رہی صحیح حدیث۔؟ تو وہ وہ ہے جسکو عادل (ثقہ) وضابط راوی اپنے جیسے سے آخر تک باتصال سند اور بغیر تعلیل و شذوذ کے روایت کرے۔

مقدمہ ابن صلاح ص۱ مطبوعہ مدینہ منورہ

---

[1] یہ بھی واضح رہے کہ سنن اربعہ کا وجود اس پر اتم حجت ہے کہ حدیث صحیح کی طرح حسن و ضعیف بھی حدیثیں ہی ہیں، ورنہ انکی تخریج کا کیا مطلب۔؟ جن حضرات نے حسن و ضعیف حدیث کے حدیث ہونے کا انکار کیا ہے وہ انکا خواہشات نفسانی کی پیروی میں ان کی ذہنیت فاسدہ کا اختراع ہے، جس کیلئے شرع میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ ۱۲

گویا حدیث صحیح کی پانچ شرطیں ہیں۔ ۱۔ اتصال سند۔ ۲۔ عدالت (ثقاہت)۔ ۳۔ ضبط راوی۔ ۴۔ عدم شذوذ (غیر معروف نہ ہونا) ۵۔ عدم علۃ قادحہ (کسی مانع صحت عیب کا نہ ہونا۔)

کسی حدیث کے صحیح ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس میں یہ شرطیں پائی جائیں۔ پھر ایسی حدیث صحیح کے دو مصداق ہیں۔ اوّل: مصداق تو یہ ہے کہ وہ حدیث یا تو کتب خمسہ (بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی، نسائی) میں سے کسی کتاب میں ہو یا اسکی صحت پر متقدمین میں سے کسی کی تصریح موجود ہو۔ ایسی حدیث بالاتفاق صحیح ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، یہ اختلاف تو ہو سکتا ہے کہ یہ شرطیں فلاں حدیث میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ لیکن جس حدیث میں یہ شرطیں پائی جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ حدیث کتب صحاح میں سے کسی کتاب میں موجود بھی ہو یا اسکی صحت پر متقدمین میں سے کسی نے تصریح کی ہو اسکی صحت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

ثانی: مصداق وہ حدیث ہے کہ نہ تو وہ کتب خمسہ میں سے کسی کتاب میں مذکور ہو اور نہ ہی متقدمین میں سے کسی نے اس کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہو، لیکن اس میں صحیح ہونے کی وہ تمام شروط پائی جاتی ہوں جو ائمہ جرح و تعدیل نے تجویز کی ہیں۔ اس کے تمام راوی معیار صحت پر پورے اترتے ہوں۔ حدیث صحیح کے اس مصداق میں اختلاف ہے۔ کہ ایسی حدیث پر متاخرین علماء حدیث کو صحت کا حکم لگانیکا حق ہے یا نہیں۔؟ اور اس کے مجاز ہیں یا نہیں۔؟

بیان مذاہب | تو اس بارے میں متقدمین میں سے شیخ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ اور متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ متاخرین کی ایسی حدیث کی تصحیح و تضعیف کے مجاز نہیں ہیں کہ جو نہ تو کتب خمسہ میں سے کسی کتاب میں ہو اور نہ ہی متقدمین میں سے کسی کی تصریح اسکی صحت کے بارے میں موجود ہو، اگرچہ اس میں صحت کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔

چنانچہ شیخ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

اذا وجدنا فیما نروی من کتب الحدیث وغیرھا حدیثا صحیح الاسناد ولم نجدہ فی احد الصحیحین ولا منصوصا علی صحتہ فی شیئ من مصنفات	جب ہم (متاخرین سے) کتب حدیث وغیرہا (مؤلفات) میں کوئی صحیح الاسناد حدیث پائیں لیکن نہ تو وہ حدیث صحیحین میں سے کسی کتاب میں ہو اور نہ ہی ائمہ حدیث کی

ائمة الحديث المعتمدة المشهورة فانا لا نتجاسر على جزم الحكم بصحة فقد تعذر في هذه الاعصار الاستدلال بادراك الصحيح بمجرد اعتبار الاسانيد لانه ما من اسناد من ذالك الا ويوجد في رجاله من يعتمد في رواية على ما في كتابه عويا عما يشترط في الصحيح من الحفظ والضبط والاتقان. فآل الامر اذاً في معرفة الصحيح الى الاعتماد على ما نص عليه ائمة الحديث في تصانيفهم المعتمدة۔

مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۲، ۱۳

مشہور و معتمد کتب میں سے کسی کتاب میں اسکی صحت پر تصریح موجود ہو تو ہم (باوجود اس حدیث کے صحیح الاسناد ہونے کے) اس پر حتمی طور پر صحت کا حکم لگانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ (اس دعوٰی کی دلیل یہ ہے کہ) اس زمانہ میں محض اسانید کی وجہ سے صحیح کا ادراک مشکل ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کی جس سند کو بھی ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سند کے رجال نے روایت بیان کرتے وقت اسی روایت پر اعتماد کیا ہے جو اسکی کتاب میں موجود تھی۔ (اس نے اپنے حافظہ سے روایت نہیں کی) اور جو حفظ و ضبط اور اتقان صحیح میں تھا راوی میں وہ موجود نہیں

لہذا اب (جبکہ اس میں صحیح کے شروط نہیں[1] پائے گئے اور اسکی صحیح الاسناد حدیث صحت کا حکم لگانا دشوار ہے) تو لامحالہ تصحیح حدیث کے بارے میں ائمہ مجتہدین کی تصریحات پر ہی اعتماد کیا جائے گا۔

شیخ ابن صلاحؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ چونکہ اسانید متاخرہ میں خلل واقع ہوگیا ہے۔

۲۔ کیونکہ آج کے زمانہ میں جو بھی کوئی حدیث بیان کرتا ہے، وہ اپنی کتاب پر اعتماد کرتے ہوئے کتاب سے ہی بیان کرتا ہے۔

۳۔ اور کتاب سے بیان کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ صحیح حدیث میں جو حفظ شرط تھا وہ اس میں موجود نہیں۔

---

[1] حافظ ابن الصلاح صحیح کی شروط میں حفظ کی شرط کو بھی شمار کیا ہے۔ یہ جمہور کی تعریف کے خلاف ہے، کما سیجئ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲

۴۔ اس لئے محض اسانید کی وجہ سے صحیح کا ادراک اس زمانہ میں مشکل ہوگیا ہے۔

۵۔ لامحالہ تصحیح حدیث میں متقدمین کی تصریحات پر ہی اعتماد کرنا پڑے گا۔

حاصل یہ کہ شیخ ابن صلاح کے نزدیک صحت حدیث کا معیار یا تو کتب ہیں یا متقدمین میں سے کسی کی تصریح، محض شروطِ صحت کا کسی حدیث کے رواۃ میں پایا جانا ان کے نزدیک معیارِ صحت نہیں ہے۔

لیکن شیخ ابن صلاح اور شاہ ولی اللہ کے نظریئے کے برعکس متقدمین میں سے امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ اور متاخرین میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ متاخرین بھی اس کے مجاز ہیں کہ وہ کسی ایسی حدیث پر صحت کا حکم لگائیں جس میں ائمہ متقدمین کی تجویز کردہ صحیح کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ اگرچہ اسکی تخریج کتب خمسہ میں نہ کی گئی ہو، اور اگرچہ متقدمین میں سے اسکی صحت پر کسی کی تصریح بھی موجود نہ ہو، بشرطیکہ حکم لگانے والے محدث کے اندر قواعد جرح و تعدیل کی معرفت تامہ اور ملکہ قویہ موجود ہو، یہ نہیں کہ ہر کہ ومہ اٹھ کر حدیث نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر نشتر زنی شروع کر دے، اور اپنے مزعومات باطلہ کی تائید میں کسی حدیث پر جرح اور کسی کی تعدیل کرتا پھرے۔

حاصل یہ نکلا کہ امام نووی اور شیخ عبدالحق کے نزدیک صحت کا مدار نہ کتب خمسہ ہیں اور نہ ہی متقدمین میں سے کسی کی اس بارے میں تصریح بلکہ اصل معیارِ تصحیح ان کے نزدیک کسی حدیث میں صحیح کی شروط کا پایا جانا ہے، چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں:

"والاظہر عندی جوازہ لمن تمکن وقویت معرفتہ۔
تقریب مع التدریب ص۷۹

میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ جس شخص کے اندر (احادیث صحیحہ کی) معرفت تامہ اور (جرح وتعدیل کی) قدرت کاملہ ہو، اس کیلئے ایسی حدیث پر صحت کا حکم لگانا جائز ہے۔

حافظ زین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ اسی کو جمہور اہل حدیث کا مذہب بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھو الذی علیہ عمل المحدثین۔
تدریب ص۷۹

یہی ہے وہ (قول حکم) کہ جس پر ائمہ حدیث کا عمل ہے۔

چنانچہ ہم کو حافظ عراقی کے اس قول کے مطابق متاخرین میں سے ایک ایسی جماعت ملتی ہے کہ جس نے قواعد صحیحہ کی روشنی میں ایسی ایسی احادیث کی تصحیح کی کہ جو نہ تو کتب خمسہ میں تھیں

اور نہ ہی ان کی صحت پر متقدمین کی تصریح موجود تھی، ان میں سے بعض تو شیخ ابن صلاح کے ہی معاصر ہیں اور بعض بعد کے طبقہ کے ہیں۔ معاصرین میں سے ایک تو :

۱۔ حافظ ابن قطان المتوفی ۶۲۸ھ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "الوہم والابہام" میں حدیث ابن عمرؓ — انہ کان یتوضأ ونعلاہ فی رجلیہ ویمسح علیہما ویقول کذالک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل — اخرجہ البزار۔ کی تصحیح کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے حدیث انسؓ — کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینتظرون الصلوٰۃ فیضعون جنوبہم فمنہم من ینام ثم یقوم الی الصلوٰۃ — اخرجہ ابن اصبغ ۔ کی بھی تصحیح کی۔ شیخ کے دوسرے معاصر :

۲۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی المتوفی ۶۴۳ھ ہیں (یہی سن وفات ابن صلاح کا ہے۔) انہوں نے بھی اپنی کتاب "المختارۃ" میں ایسی ایسی احادیث کی تصحیح کی ہے۔ کہ جن کی صحت پر متقدمین میں سے کسی کی تصریح نہیں پائی جاتی۔ شیخ کے معاصرین میں سے :

۳۔ حافظ زکی الدین منذری م ۶۵۶ھ بھی ہیں، انہوں نے بھی حدیث : نصر عن وھب اور حدیث : یونس عن الزھری اور حدیث ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ فی "غفران ما تقدم من ذنبہ وما تاخر" کی تصحیح کی۔

اسی طرح ابن صلاح کے بعد کے طبقے کے محدثین نے بھی ایسی ایسی احادیث کی تصحیح کی کہ جنکی تصحیح کا حق شیخ متاخرین کو دینے کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ :

۱۔ حافظ شرف الدین دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ نے حدیث جابرؓ — ماء زمزم لما شرب لہ — کی تصحیح کی، اسی طرح :

۲۔ حافظ تقی الدین سبکی المتوفی ۷۵۶ھ نے بھی حدیث ابن عمرؓ — فی الزیارۃ — کی تصحیح کی۔ وغیر ذالک۔

یہی وجہ ہے کہ ان مذکورہ ائمہ محدثین اور ان جیسے دیگر متاخرین علماء حدیث کی تصحیح احادیث کو دیکھ کر حافظ عراقی کو کہنا پڑا کہ :

ولم یزل ذالک داب من بلغ — (معاصرین ابن صلاح کے بعد صرف دو طبقوں
اھلیتہ ذالک منہم۔ تدریب ص۸ — تک ہی یہ تصحیح حدیث کا سلسلہ محدود نہیں رہا)
بلکہ ماہرین فن کیلئے یہ مسئلہ تصحیح حدیث جاری ہے۔

(باقی آئندہ)